OPEN ACCESS
AL-EHSAN
ISSN: 2410-1834
www.alehsan.gcuf.edu.pk
PP: 09-30

حضرت شقیق بلخی کی تعلیمات

The Teachings of Hazrat Shaqique Balkhi

Dr. Muhammad Mushtaq Tajarwi

Assistant Professor

Department of Islamic Studies, Jamia Miliyah Islamia, India

Abstract

This article entitled "حضرت شقیق بلخی کی تعلیمات" deals with the life, thoughts and teaching of renowned sufi Hazrat Shaqique Balkhi. He is one of those trend setter sufis who played a vital role theoretically in the history of tasawwuf. He laid stress on (عمل) practice instead of sayings. His basic teachings are based on faith (توکل), Zuhad, Akhrat and Ibadat. He made such standerd in his sayings thourgh which a man can analize himself about his position and status in religion. He paid an important role for the benefit of peoples in the history of tasawwuf.

Keywords: *Shaqique Balkhi, Zuhad, Akhrat, Ibadat, Practice, History, Tasawwuf.*

حضرت شقیق بلخی (متوفی ۱۹۴ھ مطابق ۸۱۰ء) ابتدائی عہد کے اجل صوفیہ میں سے ہیں۔ ان کا شمار تصوف کی تاریخ میں نظریہ ساز صوفیہ میں ہوتا ہے۔ ابو عبد الرحمن السلمی نے لکھا ہے کہ خراسان کے علاقے میں سب سے پہلے شقیق بلخی نے علم الاحوال کے بارے میں گفتگو کی۔ وہ اپنے عہد میں بھی بڑے مشہور صوفیہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے مریدین کی تعداد بہت تھی۔ بسا

اوقات ان کے ساتھ تین تین سو مرید ہوا کرتے تھے۔ زہد و عبادت کے ساتھ ساتھ انھوں نے بھرپور سیاسی و سماجی زندگی گزاری۔

مختصر احوال:

حضرت شقیق بلخی خراسان کے شہر بلخ کے رہنے والے تھے اور قبیلہ ازد سے نسبی تعلق تھا اس لیے الازدی کہلاتے تھے ابو علی کنیت تھی۔ ابتدا میں بہت دولت مند آدمی تھے۔ ان کے پوتے علی بن محمد بن شقیق روایت کرتے ہیں کہ ان کے دادا یعنی حضرت شقیق شروع میں بہت امیر تھے۔ ان کے پاس تین سو گاؤں کی جاگیر تھی۔ تجارت بھی کرتے تھے اور تجارت کے سلسلے میں مختلف علاقوں کے اسفار بھی کرتے تھے۔ بعد میں تصوف و سلوک کی طرف مائل ہوئے تو ساری دولت غریبوں تقسیم کرکے زہد کی راہ اختیار کرلی۔(۱)

تصوف اور زہد کی طرف ان کی طبیعت کے میلان کے سلسلے میں کئی واقعات ملتے ہیں۔ ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ وہ تجارت کے سلسلے میں "ترکوں" (غیر مسلم ترک مراد ہیں) کے علاقے میں گئے ہوئے تھے۔ جس بستی میں یہ لوگ مقیم تھے وہاں کے لوگ مشرک تھے اور بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت شقیق ایک مرتبہ ان کے عبادت خانے میں گئے۔ وہاں دیکھا کہ ان لوگوں کے مذہبی پیشوا سر اور داڑھی کے بال منڈوائے ہوئے سرخ ارغوانی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں (غالباً بدھ مذہب کے پیروکار ہوں گے)۔ حضرت شقیق نے ان سے کہا کہ تم لوگ اپنے بنائے ہوئے ان بتوں کی پوجا کرتے ہو یہ غلط طریقہ ہے جن چیزوں کو تم پوجتے ہو ان کا بھی اور تمھارا بھی خالق اور بنانے والا ایک ہی ہے اور کوئی اس جیسا نہیں ہے۔ دنیا و آخرت اسی کی ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر ایک کو رزق دینے والا ہے۔ پھر تم ایسے معبود کو چھوڑ کر ان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ عبادت خانے کے خادم نے کہا کہ تمہارے قول اور عمل میں تضاد ہے۔ شقیق رحمۃ اللہ نے پوچھا کیسے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر تم یہ مانتے کہ تمھارا ایک خالق و رازق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو تم طلب رزق میں یہاں نہ آتے۔ جو تمھیں یہاں رزق دے رہا ہے وہ تمہارے مقام پر بھی دیتا اور تم سفر کی اس مصیبت سے بچے رہتے۔ اس گفتگو کا حضرت شقیق پر بڑا اثر ہوا خود

فرماتے ہیں کہ میرے زہد کا سبب اس "ترکی" کا یہ کلام ہے۔ اس کے بعد حضرت شقیق واپس آئے اور سارا مال و منال صدقہ کر کے طلب علم میں لگ گئے۔(۲)

امام ابن الملقن نے طبقات الاولیا میں ایک اور واقعہ لکھا ہے لیکن بظاہر اس روایت کی صحت میں ان کو بھی شک ہے۔ وہ واقعہ یہ کہ ایک دفعہ قحط کے زمانے میں انھوں نے ایک غلام کو دیکھا جو بہت موج مستی کر رہا تھا- (یلعب و یمزح) حضرت شقیق نے اس کو ڈانٹا کہ لوگ قحط کی مصیبت میں مبتلا ہیں اور تو موج مستی کر رہا ہے۔ اس نے کہا ـ "مجھے اس قحط کی پرواہ نہیں چونکہ میرے مالک کے پاس ایک گاؤں ہے وہاں سے ضرورت کی ہر چیز آجاتی ہے میں اس قحط سالی کی فکر کیوں کروں۔" حضرت شقیق نے سوچا کہ اس غلام کا مالک تو خود ایک مخلوق ہے اس پر اس کو اتنا بھروسہ ہے اور میرا مالک تو تمام غنیوں کا غنی ہے۔ جب یہ شخص ایک گاؤں کے مالک اپنے آقا پر اتنا بھروسہ کر رہا ہے تو میں سارے عالم کے مالک کی غلامی کا دعویدار ہو کر بھی کیوں پریشاں پھروں، اس کے بعد اپنا سارا اثاثہ ترک کر دیا اور عبادت میں لگ گئے۔(۳)

امام قشیری نے الرسالۃ القشیریہ میں اس کے علاوہ اسی جیسا ایک اور واقعہ لکھا ہے۔ ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شقیق بلخی کا رجحان زہد و عبادت کی طرف ایسے واقعات کی بنا پر ہوا تھا جن میں طلب رزق کی خصوصی اہمیت تھی، چنانچہ ان کے ہاں غالب رجحان توکل کا ہے، حتی کہ ان کے بارے میں بعض تذکرہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا سارا کلام توکل کے بارے میں ہے۔(۴)

حضرت شقیق بلخی شروع میں بڑے عیش وآرام کی زندگی بسر کرتے تھے، بہترین لباس زیب تن کیے رہتے، نمود و نمائش کا بڑا شوق تھا خود فرماتے ہیں کہ کنت مرائیا (میں نمود و نمائش کا شوقین تھا)۔ وہ کتے پالنے کے بھی بڑے شوقین تھے۔ پھر ان کی زندگی میں انقلاب آیا اور وہ عابد و زاہد بن گئے۔ امام قشیری نے ابو عبدالرحمن السلمی کے حوالے سے ان کے دور امارت کا ایک قصہ اس طرح نقل ہے کہ حاتم اصم کہتے ہیں "شقیق بن ابراہیم پہلے بہت دولت مند تھے زندگی کج کلاہی میں بسر کرتے تھے ان کے گرد خوش فکروں کی بھیڑ رہتی تھی۔ اس وقت بلخ کا حاکم علی بن عیسی بن ماہان تھا۔ اس کو بھی کتے پالنے کا شوق تھا اور اس کے پاس بہت سے تربیت یافتہ کتے تھے۔ ایک مرتبہ

اس کا ایک شکاری کتا گم ہو گیا۔ بڑی تلاش کے بعد بھی نہیں ملا۔ کسی نے جھوٹی شکایت کی کہ یہ کتا فلاں شخص کے پاس ہے جو حضرت شقیق کے پڑوس میں رہتا تھا جب اس شخص کی تلاش ہوئی تو اس نے بھاگ کر حضرت شقیق کے گھر میں پناہ لی۔ حضرت شقیق حاکم کے پاس گئے اور کہا کتا تو میرے پاس ہے لہٰذا اس کا پیچھا چھوڑ دو میں تین دن کے اندر کتا تمہیں دے دوں گا۔ چنانچہ انھوں نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔ حضرت شقیق واپس آئے تو بہت فکر مند تھے یہاں تک کہ تیسرا دن بھی آگیا۔ حضرت شقیق کا ایک دوست بلخ سے کہیں گیا ہوا تھا اور اب بلخ واپس آرہا تھا۔ راستے میں اسے ایک کتا ملا جس کے گلے میں پٹا پڑا ہوا تھا۔ اس نے اسے پکڑ لیا اور اس خیال سے کہ حضرت شقیق کتوں کے شوقین ہیں ان کو بطور تحفہ دے گا۔ جب حضرت شقیق نے اسے دیکھا تو اتفاق سے وہی امیر کا کتا تھا، انھوں نے وہ کتا امیر کو دے کر اپنی ضمانت چھڑائی۔(۵)

حضرت شقیق بلخی کے ایک مربی حضرت ابراھیم بن ادھم کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ امام ابن الملقن نے یہ قصہ اس طرح لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شقیق بلخی حج کو گئے۔ وہاں حضرت ابراہیم بن ادھم سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے ان سے پوچھا کہ آپ نے زہد و توکل کا یہ طریقہ کہاں سے سیکھا۔ شقیق نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں تجارت کے لیے جارہا تھا ایک جگہ میں نے ایک چڑیا دیکھی جس کے پنکھ ٹوٹے ہوئے تھے اور ایک ویران جگہ پڑی تھی۔ میں نے سوچا کہ میں یہ دیکھوں کہ اس کو کھانا کہاں سے ملتا ہے۔ اسی اثنا میں ایک دوسری چڑیا آئی اس کی چونچ میں دانا تھا اس نے وہ دانہ اس چڑیا کی چونچ میں رکھ دیا۔ مجھے اس نظارے سے عبرت ہوئی اور میں واپس آکر عبادت میں لگ گیا۔ ابراہیم بن ادھم نے یہ سن کر شقیق سے کہا کہ تم نے وہ چڑیا بننا پسند کیوں نہیں کیا جس نے اس پر بریدہ چڑیا کو دانا دیا تھا۔ اس طرح تم اس سے افضل ہو جاتے۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہوتا ہے۔(حدیث، مسند احمد) مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر معاملہ میں دو درجوں میں سے اعلیٰ درجہ کا انتخاب کرے اس طرح وہ ابرار کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔ حضرت شقیق نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کو بوسہ دے کر کہا کہ آج سے آپ میرے استاد ہیں۔(٦)

حضرت شقیق کے راہ زہد اختیار کرنے کے سلسلہ میں یہ چند واقعات ہیں۔ ان میں انتساب کی غلطی کا امکان تو ہے لیکن بظاہر کوئی بڑا اتضاد بھی نہیں ہے، ممکن ہے کہ یہ سب واقعات پیش آئے ہوں۔ اور ان کے مجموعی تاثر کے طور پر حضرت نے ترک دنیا کر کے زہد کی راہ اختیار کی ہو۔

اساتذہ:

شقیق بلخی نے فقہ کی تعلیم امام زفر سے حاصل کی اور راہ سلوک کے رموز سفیان ثوری، عباد بن کثیر اور اسرائیل سے سیکھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں "میں نے لباس کی سادگی سفیان ثوری سے، خشوع و خضوع اسرائیل سے اور عبادت کا ذوق عباد بن کثیر سے سیکھا اور فقہ کی تعلیم امام زفر سے حاصل کی۔" ان کے استادوں میں ان کے علاوہ ایک نام کثیر بن عبد اللہ الایلی کا بھی ہے۔(۷) مناوی نے لکھا ہے کہ انھوں نے فقہ کی تعلیم امام ابو حنیفہ سے حاصل کی۔(۸) امام ابن الملقن نے بھی صراحت کی ہے کہ حضرت شقیق بلخی نے امام ابو حنیفہؒ سے حدیث پڑھی تھی۔(۹)

مریدین:

حضرت شقیق بلخی کے تلامذہ کی تعداد بہت تھی ان کے ساتھ بعض اوقات تین تین سو مرید ہوا کرتے تھے۔ انکے زیادہ مشہور تلامذہ اور مریدین میں حاتم الاصم، عبد الصمد بن مردویہ، محمد بن ابان المستملی اور حسین بن داؤد البلخی ہیں۔(۱۰)

راہ سلوک میں شقیق بلخی نے بڑی مشکلات اٹھائیں انھوں نے خود اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا میں نے جب توکل کی راہ اختیار کی تو میرے پاس تین لاکھ کا اثاثہ تھا میں نے سب چھوڑا اونی کپڑے پہنے اور بیس سال تک ایک مدہوشی کی سی کیفیت میں رہا، مجھے کچھ ہوش ہی نہیں رہتا تھا ایک مدہوشی کی سی کیفیت طاری رہتی تھی مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ جب میری ملاقات عبد العزیز بن ابی الرواد سے ہوئی تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ اے شقیق جو کی روٹی کھانا اور اون یا بالوں کے کپڑے پہننا کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ تم اللہ کی معرفت حاصل کرو اور یہ کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ میں نے ان سے کہا میں آپ کی بات صحیح طرح نہیں سمجھا آپ اس کی مزید وضاحت

فرمائیں۔ انھوں نے فرمایا کہ تم جو عمل بھی کرو وہ سب خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاء رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَداً (الکہف، ص:۱۱۰) (۱۱) حلیۃ الاولیا میں میں لکھا ہے کہ انھوں نے دوسری شرط یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جاؤ اور تیسری یہ بتائی کہ تمھارا بھروسہ جو کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اس پر زیادہ ہونا چاہیے بہ مقابلے اس کے جو لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔(۱۲)

حضرت شقیق کے اس سفر سلوک میں ان کی فکر کا محور قران مجید رہا، انھوں نے ایک مرتبہ فرمایا میں نے بیس سال قران مجید پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ دنیا و آخرت کا فرق صرف دو جملوں میں ہے کہ (۳۵)

"فَمَا أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِندَ اللهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ" (الشوری آیت ۳۶) (۱۳)

امام جعفر اور شقیق بلخی:

شقیق بلخی کے بارے میں امام قشیریؒ نے ایک واقعہ یہ لکھا ہے کہ انھوں نے امام جعفر صادق سے سوال کیا کہ فتوت (شرافت یا جواں مردی) کیا ہے انھوں نے فرمایا کہ پہلے تم بتاؤ تم اس سے کیا سمجھتے ہو۔ شقیق نے کہا کہ میرے نزدیک فتوت یہ ہے کہ اگر ہمیں کچھ ملتا ہے تو شکر کرتے ہیں اور نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں- امام جعفر صادق نے فرمایا کہ مدینہ میں کتے بھی یہی کرتے ہیں یعنی اس میں کیا خوبی ہے- حضرت شقیق نے پوچھا کہ اے رسول اللہ کے نواسے پھر آپ ہی بتایے فتوت کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر ہمیں کچھ مل جائے تو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ اور اگر نہ ملے تب بھی شکر کرتے ہیں۔(۱۴)

امام ابن الملقن نے طبقات الاولیا میں بھی یہ واقعہ درج کیا ہے لیکن اس میں امام جعفر صادق کی جگہ ابراہیم بن ادہم کا تذکرہ ہے۔(۱۵) اگرچہ سند کے اعتبار سے پہلی روایت زیادہ بلند ہے چونکہ امام قشیری متقدم لیکن درایۃً دوسری روایت زیادہ معتبر معلوم ہوتی ہے- چونکہ ابراہیم بن ادہم شقیق بلخی کے استاد ہیں اور انھوں نے تربیت کے لیے اس طرح کا سوال کیا ہو گا۔ جب کہ امام جعفر صادق سے ان کی ملاقات کسی اور ذریعہ سے ثابت نہیں۔ اور اگر ثابت بھی ہو جائے تو ان کے

درمیان عمر کا فرق اتنا زیادہ ہے کہ بظاہر اس قسم کا مکالمہ نہیں ہو سکتا۔ چونکہ امام جعفر صادق کی وفات شقیق بلخی کی وفات سے ۴۶ سال قبل ۱۴۸ھ میں ہو چکی تھی- اس لیے ہو سکتا ہے کہ الرسالۃ میں واقعہ نقل کرتے ہوئے ابراہیم بن ادہم کی جگہ امام جعفر صادق کا نام شامل ہو گیا ہو- اور صوفیہ کرام کے تذکروں میں ایسا ہو بھی جاتا ہے۔ خود الرسالۃ میں ایسی تصحیف کی ایک مثال آگے آرہی ہے۔ اور ابن الملقن چونکہ بہت بڑے محدث بھی ہیں بخاری شریف کے شارح ہیں اس لئے انھوں نے واقعہ اور سند کی چھان بھی محدثانہ شان سے ہی کی ہو گی۔

سفیان ثوری کی خدمت میں:

سفیان ثوری کے بارے میں شقیق بلخی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے ملاقات کی اور لباس کی سادگی ان سے سیکھی، انھوں نے ازار پہن رکھا تھا جس کی قیمت چار درہم تھی جب وہ پالتی مار کر بیٹھتے یا اپنے پیر پھیلاتے تو ازار کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ان کی ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتا تھا- (۱۶)

اسناد حدیث:

حافظ ذہبی نے العبر فی خبر من غبر میں بحیثیت راوی خود شقیق بلخی کو ضعیف میں لکھا ہے۔(۱۷) ان کی روایات کو بھی محدثین نے عام طور پر قبول نہیں کیا ہے لیکن وہ حضرات زمانہ روایت حدیث سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے صوفیہ کے تذکروں میں ان کی مرویات اور اسناد کے بیان کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ شقیق بلخی کے بارے میں ابن الملقن نے لکھا ہے کہ انھوں نے امام ابو حنیفہ سے حدیث بیان کی۔(۱۸) ابو عبد الرحمن السلمی نے ان کی سند سے دو احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث عباد بن کثیر الثقفی البصری (متوفی ۱۵۰ھ) سے اور دوسری حدیث ابو ہاشم الایلی سے روایت کی ہے(۱۹) ابو ہاشم سے ہی ایک اور حدیث کی روایت تاریخ الاسلام میں امام ذہبی نے بھی نقل کی ہے۔(۲۰)

خلیفہ مامون اور حضرت شقیق:

ابن العماد نے بھی ان کے ایک سفر میں تین سو مریدوں کے ساتھ ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔(۲۱) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا حلقہ ارادت کافی وسیع تھا۔ لیکن ان کے اقوال عام طور پر حاتم اصم سے مروی ہیں۔ طبقات الصوفیہ میں ان کے ۲۷ مقولے نقل کیے ہیں۔ سب حاتم اصم

کی روایت سے ہیں۔ حاتم اصم ان کے سب سے مشہور شاگرد ہیں۔ وہ خود بھی بڑے پائے کے صوفی تھے اور شقیق بلخی کی خدمت میں طویل عرصہ رہے۔ ثمانی مسائل یعنی آٹھ مسائل کے نام سے انھوں نے حضرت شقیق کے فیض صحبت کے ثمرات بیان کیے ہیں جن کو مختلف تذکرہ نگاروں نے جمع کیا ہے۔(۲۲) حضرت شقیق کے ساتھ آخری دم تک لگے رہے ان کے واقعہ شہادت کے راوی بھی وہی ہیں۔(۲۳) حضرت حاتمؒ اصم کے علاوہ حضرت شقیق کے ملفوظات کو ان کے پوتے علی بن محمد بن شقیق کے حوالے سے بھی بعض تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا اور۔ حسن بن داؤد بلخی نے بھی ان کے بعض اقوال روایت کیے ہیں۔(۲۴)

وفات:

شقیق بلخی کی وفات کے سلسلے میں سبھی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ کولان کی جنگ میں ترکوں کے خلاف جنگ کرتے ہوئے سنہ ۱۹۴ھ ۸۱۰ء میں شہید ہوئے۔(۲۵)

حضرت حاتم اصم نے ان کی شہادت کے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں اور حضرت شقیق ایک جنگ میں ساتھ تھے۔ ایک دن گھمسان کا رن پڑا اس میں سوائے سروں کے اڑنے، تلوراوں کے ٹوٹنے اور نیزوں کے چلنے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا اسی دوران ہم دو صفوں کے درمیان تھے کہ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ اے حاتم کیا محسوس کر رہے ہو کیا تمھیں آج شب زفاف کی لذت نہیں آرہی ہے؟ میں نے کہا بخدا ایسی تو کوئی بات مجھے نہیں محسوس ہو رہی ہے۔ شقیق نے فرمایا کہ واللہ مجھے تو ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے، حاتم کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت شقیق نے ڈھال سرہانے رکھی اور دو صفوں کے درمیان سو گئے حتی کہ مجھے ان کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔(۲۶)

اندازہ ہوتا ہے کہ اس جنگ میں ان کے اور ساتھی بھی شریک تھے چنانچہ حاتم نے اس قصہ میں مزید کہا ہے کہ میں نے اس جنگ میں اپنے اصحاب میں سے ایک کو دیکھا کہ رو رہا ہے میں نے پوچھا کیوں رو رہے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میرا بھائی شہید ہو گیا۔(۲۷)

اولاد:

شقیق بلخی کی اولاد کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم۔ ان کے ایک بیٹے محمد کا نام تذکروں میں ملتا ہے۔ وہ دراصل پوتے کے ذکر میں ملتا ہے۔ اور ایک بیٹے علی کا تذکرہ ان کی کنیت میں ہے۔ ممکن ہے کہ اور بھی اولاد رہی ہوں۔

افکار و تعلیمات:

شقیق بلخی نے اونی کپڑے پہنے، مجذوبانہ تلاش حق میں سرگرداں پھرے۔ مختلف لوگوں سے روایات لیں۔ اور مختلف شخصیات کی خدمت میں رہ کر سلوک و تصوف کے رموز سیکھے۔ شروع میں وہ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے معروف معنوں میں دنیا دار قسم کے انسان تھے۔ بڑے دولت مند تھے۔ شاعری بھی کرتے تھے جوانی کی امنگوں میں مگن رہتے اور کتے پالتے تھے۔ جب فکر آخرت دامن گیر ہوئی تو سب کچھ ترک کر دیا، دولت صدقہ کر دی اور اطمینان کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے۔ ان کے افکار و خیالات جو ان کے بعض مریدوں نے خاص طور پر حاتم اصم نے نقل کیے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے ان کے ہاں فلسفیانہ طرز فکر نہیں ہے بلکہ زیادہ عمل کی باتیں ہیں۔ عمل کے ذریعہ کس طرح اپنی زندگی کو سنوارا جائے اور آخرت کی فکر کے پیش نظر یہ زندگی کیسے گزاری جائے، حضرت شقیق کی چند بنیادی تعلیمات اس طرح ہیں:

توکل:

شقیق بلخی کے ہاں توکل پر بڑا زور تھا غالباً اپنی ہنگامہ خیز معاشی زندگی کو ترک کرنے کے نتیجہ میں ان کے اندر توکل کی فکر زیادہ بڑھ گئی اور یہ فکر اتنی حاوی ہوئی کہ اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کو اسی حوالے سے ذکر کیا ہے۔ الرسالۃ میں لکھا ہے کہ ان کا سارا کلام توکل کے بارے میں ہے۔(۲۸)

توکل حضرت کے فکر و عمل کا غالب پہلو ہے۔ توکل کہتے کس کو ہیں اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شقیق بلخی نے فرمایا "التوکل یطمئن قلبک بوعود اللہ" (توکل یہ ہے کہ تیرا دل اللہ تعالیٰ کے وعدے پر مطمئن ہو جائے) توکل کی مزید وضاحت آپ نے اس طرح کی کہ اگر تم نے یہ جاننا ہو کہ یہ انسان کیسا ہے تو یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر اس کو زیادہ بھروسہ ہے یا

انسان کے وعدے پر۔(۲۹یعنی اللہ تعالی پر بھروسہ ہے تو متوکل ہے۔اور انسانوں پر زیادہ بھروسہ ہے تو دنیادار ہے۔

ابو نعیم اصفہانی نے لکھا ہے کہ شقیق بلخی نے توکل کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

۱- توکل علی المال

۲- توکل علی النفس

۳- توکل علی الناس

۴- توکل علی اللہ

توکل علی المال یعنی مال پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ تم کہو کہ جب تک یہ مال میرے پاس رہے گا، مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔توکل علی النفس یعنی نفس پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ انسان کلی طور پر صرف اپنے اوپر بھروسہ کرے۔توکل علی الناس یعنی لوگوں پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ ہر ضرورت میں دوسرے لوگوں کی مدد کا یقین ہو۔اور توکل علی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ جانو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے وہی تمہارے رزق کا ضامن اور کفیل ہے۔وہ تمہیں کسی کا محتاج نہیں کرے گا اور تم اس بات کو خود اللہ تعالی کہ فرمان کے مطابق اپنی زبان میں یوں کہو"وَالَّذِیْ هُوَ يُطْعِمُنِیْ وَيَسْقِيْنِ (سورۃ الشعراء ۷۹) یہ توکل علی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَعَلَى اللهِ فَتَوَكَّلُواْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِين (المائدہ ۲۳)وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُون (المائدہ ۱۱)۔إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِين (آل عمران ۱۵۹) (۳۰)

حضرت شقیق بلخی کے ہاں توکل پر اتنا زور ہے کہ بسا اوقات وہ ترک وسیلہ تک پہنچ جاتے ہیں۔اس کی مثال چڑیا کا قصہ ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔لیکن شاید ابراہیم بن ادہم کی تربیت کے بعد انھوں نے ترک وسیلہ کا خیال چھوڑ دیا ہو۔البتہ اس سے ان کے معیار توکل میں کوئی کمی نہیں آئی۔ وہ فرماتے تھے کہ جو تمھارا رزق ہے وہ ہر حال میں تم کو ہی ملے گا کسی اور کو نہیں مل سکتا۔(۳۱) اس لیے انسان کو اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔

حضرت شقیق بلخی کے نزدیک توکل ایمان کا پیمانہ ہے، شقیق بلخی نے متعدد آیات سے استشہاد کیا ہے جن کا حوالہ اوپر گزرا جن سے ثابت ہوتا ہے کہ توکل ایمان کا تقاضا ہے اور انسان کے

ایمان کی علامت یہ ہے کہ اس کا زیادہ بھروسہ کس پر ہے اللہ کے وعدہ پر یا انسانوں کے وعدوں پر۔(۳۲)

زہد:

حضرت شقیق بلخی کے عہد میں لفظ تصوف کا رواج نہیں تھا۔ اس عہد میں تصوف کے لیے لفظ زہد کا استعمال ہوتا تھا۔ اس لیے حضرت شقیق بلخی نے بھی لفظ تصوف کا استعمال نہیں کیا اس کے بجائے وہ زہد کا لفظ ہی استعمال کرتے تھے۔

شقیق بلخی فرماتے ہیں کہ زہد، رغبت کی ضد ہے۔ زاہد اور راغب کی مثال ان دو آدمیوں کی سی ہے جن میں سے ایک مشرق کی طرف جارہا ہو اور دوسرا مغرب کی طرف۔ ان کے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ ان کے مقاصد مختلف ہیں۔ راغب یہ دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ مجھے مال، اولاد اور دولت عطا فرما اور مجھے میرے دشمنوں کے مقابلے کامیاب فرما اور ان کے شر، حسد، ظلم، مصیبت اور آزمائش مجھ سے دور فرما۔ زاہد کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے اللہ مجھے ڈرنے والوں کا علم اور عمل کرنے والوں کا خوف عطا فرما۔ متوکلین کا علم، مومنین کا توکل، صبر کرنے والوں کا شکر اور شکر کرنے والوں کا صبر، مغلوب ہو جانے والوں کی فروتنی، عاجزی کرنے والوں کی انابت اور سچوں کا زہد عطا فرما، اور مجھے ان شہدا میں شامل فرما جو زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ یہ اس کی دعا ہے۔ دونوں کی دعائیں الگ الگ ہیں اور بخدا دونوں کے راستے جدا جدا ہیں۔(۳۳) اسی طرح حضرت شقیق بلخی زاہد یعنی صوفی کو دوسرے تمام گروہوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ یعنی جو شخص زاہد ہو گا اس کی فکر کا محور پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی خشیت اس پر توکل، صبر اور انابت ہو گا اور اس کی منزل شہدا میں شامل ہونا ہو گا۔ یعنی آخرت میں کامیابی ہی اس کی زندگی کا اصل مقصد ہو گا۔ اور اس کی کوشش یہ ہو گی کہ وہ آخرت میں سب سے اعلیٰ مقام حاصل کرے جو مقام ان شہدا کا ہے جن کے بارے میں قرآن نے آیا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور کھلائے پلائے جاتے ہیں۔

جس شخص کی ساری تگ و دو دنیا کے لیے ہو، ہوا و ہوس میں مبتلا ہو، متبع ہوا و ہوس جس کی فکر کا محور اس کی دنیا کی زندگی ہو ایسے شخص کے لیے حضرت شقیق بلخی راغب کا لفظ استعمال کرتے

ہیں۔ دنیا میں مال و اولاد کا حصول اور مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات حاصل کرنا ہی اس کی زندگی کا محور ہوتا ہے۔ آخرت کی فکر اس کے دائرہ فکر میں شامل نہیں ہوتی۔

گویا شقیق بلخی کے نزدیک جو شخص آخرت میں اعلیٰ درجات حاصل کرنے کی فکر میں یہ زندگی گزارے وہ زاہد ہے اور جس کی فکر کا دائرہ اس دنیا میں ہی محدود ہو وہ راغب ہے۔

زہد کی ضد کے طور پر شقیق بلخی ایک دوسرا لفظ یعنی ہوا (ہوس) بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس لفظ کا استعمال اب بھی اسی معنی میں ہوتا ہے۔ لیکن اول الذکر کا استعمال اصطلاحاً ان معنوں میں نہیں ہوتا جن میں شقیق بلخی نے اس کو استعمال کیا تھا۔

زاہد کے امتیازات بتاتے ہوئے حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ تین خصلتیں ہیں جو زاہد کا تاج کہلاتی ہیں:

اول یہ کہ وہ خواہشات کی پیروی نہ کرے بلکہ خواہشات کے خلاف چلے۔

دوسرا یہ کہ وہ دل سے زہد کی طرف مائل ہو۔

تیسرا یہ کہ جب بھی اس کو فرصت کے لمحات میسر آئیں تو یہ سوچے کہ قبر میں داخل ہونا اور اس سے دوبارہ زندہ ہو کر نکلنا کس حال میں ہوگا اور قیامت کے دن کی طوالت، بھوک، پیاس، برہنگی، حساب اور صراط کو یاد کرے اور حساب کی طوالت اور اس دن کی رسوائی کو یاد کرے، اس کا یہ ذکر اس کو دھوکے کے گھر (یعنی اس دنیا) کے ذکر سے بے نیاز کر دے گا۔ (۳۴)

زہد اللہ تعالیٰ سے قربت کا بھی ذریعہ ہے، اور بے شمار فضائل اس کے ذریعہ انسان کو حاصل ہوتے ہیں ایک موقعہ پر حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب وہ زہاد ہوں گے جو اس سے سب سے زیادہ خوف کی روش اختیار کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب وہ زہاد ہوں گے جو اس کے لیے سب سے اچھے اعمال انجام دیں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل وہ زہاد ہوں گے جو اس کے وعدوں پر سب سے زیادہ یقین و رغبت رکھنے والے ہوں گے (اعظمھم فیما عندہ رغبۃ) اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہ زہاد ہوں گے جو سب سے زیادہ تقوی کی روش اختیار کرنے والے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مکمل وہ زہاد ہوں گے جو سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے اور اس کے سامنے سب سے زیادہ جھکنے والے

ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے کامل زہاد وہ ہوں گے جو یقین میں سب سے زیادہ ہوں گے۔(۳۵)

طریقہ زہد:

راہ سلوک میں سالک کو مختلف منازل و مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ صوفیہ کرام نے اپنے اپنے ذوق و وجدان کے مطابق ان منازل کا بیان کیا ہے۔ شقیق بلخی نے بھی زہد کا راستہ اور اس میں آنے والی منازل کا بیان تفصیل سے کیا ہے البتہ ان کی بیان کردہ منزلیں وہ نہیں ہیں جو بعد میں صوفیہ نے طے کی۔ حضرت شقیق بلخی ان کو منزل کہتے بھی نہیں وہ ان کو ابواب یعنی دروازے کہتے ہیں۔ حضرت شقیق بلخی کو منازل وہ ابواب کے بیان سے زیادہ دل چسپی تھی بھی نہیں ان کی زیادہ توجہ آخرت کی فکر اور اس فکر کے پیش نظر دنیا کے اعمال کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق انجام دینے پر تھی۔ اس دنیا میں انسان کو آرام و راحت بھی ہیں اور تکلیف و مصائب بھی۔ سالک کے لیے ضروری ہے کہ آرام و راحت اس کو خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے اور تکلیف و مصیبت اس کو فریاد و واویلا میں مبتلا نہ کر دے اور رحمت خداوندی سے مایوس نہ کر دے، بلکہ آرام و راحت موجب شکر گزاری ہو اور اگر کوئی تکلیف پیش آئے تو اس پر صبر کرے۔ فرماتے ہیں کہ زہد کے راستہ کی طرف لے جانے والے دروازے چھ ہیں۔

۱- بھوک پر رضا اور سرور کے ساتھ صبر کرنا اس پر واویلا اور فتور کے ساتھ نہیں۔

۲- غریبی پر خوشی کے ساتھ صبر کرنا غم کے ساتھ نہیں۔

۳- طویل فاقہ کشی پر فضل و اقبال کے ساتھ صبر کرنا افسوس کے ساتھ، یعنی اس طرح رہنا گویا بھوکا ہے ہی نہیں بلکہ شکم سیر ہے۔

۴- عاجزی اور ذلت پر بہ طیب خاطر صبر کرنا نہ کہ کراہت کے ساتھ۔

۵- مصیبتوں پر رضامندی سے صبر کرنا نہ کہ ناراضگی کے ساتھ۔

۶- کھانے، پینے اور لباس کے بارے میں طویل غور و فکر کرنا کہ وہ کہاں سے آیا، کیسے آیا اور ممکن ہے کہ ایسا ہو اور ہو سکتا ہے کہ ویسا ہو (یعنی یہ ضرور غور کرے کہ یہ جائز ذریعہ سے ہی ہو)۔(۳۶)

شقیق بلخی کے اس قول میں دو نکتے بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مصیبت پر ہر حال میں بہ طیب خاطر صبر کرنا چاہیے۔ یہ مصیبت بھوک و پیاس کی ہو، چاہے ذلت و تکالیف کی ہو۔ دوسرا یہ کہ حرام چیزوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حضرت شقیق بلخی نے زاہد اور متزہد کے درمیان فرق کرتے ہوئے دونوں کی خصوصیات بھی بتائی ہیں اور لوگوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ متزہد کی صحبت سے اجتناب کریں متزہد کی خصوصیات بتاتے ہوئے کہا ہے کہ متزہد وہ ہے جو دیکھنے میں خشوع و خضوع کا پیکر نظر آئے۔ اپنے مدخل اور مخرج میں (یعنی چلنے پھرنے میں)، کھانے اور لباس میں، اور اعمال میں اور اپنی خواہشات میں زاہدوں کے مشابہ روش اختیار کرے لیکن دنیا سے اس کی رغبت اور محبت اس کے اس دعوی کے خلاف گواہی دے۔ اس کی رضا راغبین کی رضا کی طرح ہو گی۔ لیکن اس کا حسد، اس کے مقاصد، اس کی لمبی چوڑی باتیں، اس کا گھمنڈ، اس کا فخر، اس کی بد اخلاقی اور اس کی لچھے دار گفتگو اور لایعنی باتوں میں اس کا مستقل پڑے رہنا اس کے نفاق کی دلیل ہیں۔ اس سے بچو لیکن اگر کسی شخص میں یہ دس خصائل ہوں تو اس کے بارے میں امید ہے کہ وہ زہد کے کسی نہ کسی دروازے میں ضرور ہو گا۔ وہ دس خصائل یہ ہیں:

۱۔ نیکی سے اس کو خوشی ہو اور برائی پر افسوس کرے۔

۲۔ اچھا کام کیا اور کوئی اس پر تعریف کرے تو اس کو ناپسند کرے اور اگر بغیر کوئی اچھا کام کیے کوئی اس کام کے حوالے سے اس کی تعریف کرے تو اس سے ایسے نفرت کرے جیسے خنزیر اور مردار کے گوشت یا خون سے نفرت کرتا ہے۔ (**يُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا**)

۳۔ جب ان خصلتوں کو پہچان لے اور انہی میں اپنے دن اور رات کے اوقات صرف کرنے لگے تو اس کی خواہشات کم ہو جائیں گی اور جو سامنے آنے والا ہے (یعنی موت اور قیامت) اس کی فکر بڑھ گی۔

۴۔ جب آدمی ایسے کام میں مشغول ہو گا جس کے لیے اس کو پیدا نہیں کیا گیا (یعنی دنیاداری) تو اس کے غم بڑھ جائیں گے۔ ایسا لگے گا جیسے وہ مجنوں ہو۔ پھر اگر وہ اس چیز

کو اسی وقت چھوڑ دے جس نے اس کو اطاعت الٰہی سے روکے رکھا تو اس سے اس کو زہد کی مٹھاس ملے گی اور اس کے ذریعہ وہ شیطان کے گروہ سے چھٹکارا پائے گا۔

۵- اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کے نزدیک شہد سے زیادہ میٹھا، برف سے زیادہ ٹھنڈا ہو، اور سخت گرمی میں پیاس سے جاں بلب شخص کے لیے صاف، ٹھنڈا اور میٹھا پانی جتنا لذت آگیں ہوتا ہے اللہ کا ذکر اس کے لیے اس سے زیادہ لذیذ ہو جائے گا۔

۶- اس کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنا جو زاہدوں کی تعریف کریں اور اس کو نصیحت کریں زیادہ اچھا لگے گا بہ نسبت ان کے جو انھیں درہم و دینار دیں۔

۷- اگر کوئی شخص اپنے گناہوں پر بہت نہ روئے تو اس کی توبہ قبول نہ ہو گی۔

۸- اس کی مسکراہٹ اور اس کی خوشی و مسرت کی کیفیت سے لوگ سمجھیں گے کہ اہل رغبت میں سے ہے نہ کہ اہل خوف میں سے۔

۹- اس کا دل اس سے یہ نہ کہے کہ تو کسی بھی اہل قبلہ سے افضل ہے۔

۱۰- اپنے گناہوں پر نظر رکھے دوسرے کے عیوب کی نکتہ چینی سے بچے۔

جس شخص میں یہ دس چیزیں ہوں گی وہ امید ہے کہ زہاد کے طریقہ پر ہو گا۔ ان دس ابواب کے بعد سات اور ابواب ہیں دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اوپر مذکور دس ابواب راہ سلوک کی منازل ہیں اور ذیل میں مذکور سات ابواب راہ سلوک کے احوال ہیں۔

۱- اللہ تعالیٰ کے سامنے دل سے عاجزی کرنا نہ کہ صرف زبان سے۔

۲- اللہ تعالیٰ کے سامنے خوشی سے جھکنا نہ کہ بے دلی سے۔

۳- لوگوں سے بغیر لالچ کے حسن معاشرت اختیار کرنا۔

۴- دنیا کی طرف جھکنے والوں سے ایسے بھاگنا جیسے گدھا شیر سے اور ان سے ایسی نفرت کرنا جیسے گدھا درندوں کی آواز سے کرتا ہے۔

۵- ہر ایسی چیز سے پناہ چاہنا جس کے عذاب کا ڈر ہو یا پھر اس پر ثواب کی کوئی امید نہ ہو۔

۶- اپنے گناہوں پر رونے والوں کی صحبت اختیار کرنا۔

۷- اور موت کے بعد آنے والے شدائد و مشکلات سے خوف کھانا۔

جس کے اندر یہ باتیں ہوں گی وہ گویا سب سے افضل عبادت پر ہے اور زہاد کے طریقہ پر گامزن ہے بالفظ دیگر وہی صحیح معنوں میں زاہد یا صوفی ہے۔(۳۷)

یہ پوری گفتگو ابو نعیم اصفہانی نے حلیہ الاولیا میں نقل کی ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شاید کسی مجلس کی گفتگو ہے یا کسی سالک کو کی گئی نصیحت ہے۔ اس پوری گفتگو میں درج ذیل نکات خاص طور پر اہم ہیں۔

۱- ہر قسم کی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور اس پر صبر کرے اور اس کو بہ طیب خاطر برداشت کرے۔

۲- ریاکاری اور نمود و نمائش سے اور غرور و تکبر سے دور رہے۔ نیک کام کرنے پر اس کو خوشی ہو برے کام کے سرزد ہو جانے پر افسوس ہو۔ نیک کام پر اگر کوئی اس کی تعریف کرے تو اس کو ناگواری ہو۔ لیکن اگر ایسے کام پر کوئی اس کی تعریف کرے جو اس نے کیا ہی نہ ہو تو اس کو حد درجہ ناپسند کرے۔

۳- ہر وقت مستقبل یعنی موت اور قیامت کے حساب کی فکر میں رہے۔

۴- اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرے۔

۵- اپنے عیوب پر نظر رکھے اور دوسروں کی خوبیوں پر۔

اگر کسی شخص میں یہ اوصاف پیدا ہو جائیں تو اس کے بارے میں یہ سوچا جا سکتا ہے کہ وہ زہد کی راہ پر گامزن ہے، لیکن اگر یہ اوصاف نہ پائے جائیں اور زہد کا دعویٰ ہو تو حضرت شقیق بلخی کے مطابق وہ متزہد ہے۔ ایسے لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہیے۔ حضرت شقیق بلخی نے زاہد اور متزہد کے درمیان فرق کرنے کا ایک اور اصول بتایا ہے کہ زاہد اپنے عمل سے زاہد ہوتا ہے اور متزہد اپنے قول سے۔(۳۸) وہ سالک کو نصیحت کرتے تھے کہ ہمہ وقت یہ دیکھو تم اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کتنے جری ہو اور اللہ تعالیٰ کتنا حلیم ہے۔(۳۹)

فکر آخرت:

حضرت شقیق بلخی کی نظر میں اہل طاعت ہی زندہ لوگوں میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں گناہ گار تو مردوں کی مانند ہیں۔ سالک کو ہمہ وقت اس فکر میں رہنا چاہیے کہ مرنے کے بعد کی تیاری

پوری رہے۔ فرماتے تھے کہ موت کی ایسی تیاری کرو کہ جب موت آجائے تو یہ احساس نہ رہے کہ کاش اور مہلت ملتی۔(۴۰)

شقیق بلخی کے نزدیک عقل مند آدمی وہ ہے جو ہر وقت ان تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں رہے۔

۱- اپنے پچھلے گناہوں پر ہر وقت خوف زدہ رہے۔

۲- اس پر اگلا لمحہ کیا گزرے گا یہ اس کو معلوم نہ ہو- یعنی ہر وقت اگلے لمحے کی فکر میں لگا رہے۔

۳- انجام کار سے ہر وقت خائف رہے چونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کس چیز پر ہو گا۔(۴۱)

عبادت:

انسانی زندگی کا مقصد عبادت ہے اور عبادت کا مقصد یہ ہے کہ بندہ دنیا میں ایک مطمئن زندگی گزارے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کا مستحق قرار پائے۔ اس کو جنت حاصل ہو جائے اور جہنم سے چھٹکارا مل جائے۔ شقیق بلخی نے عبادت کے اس مقصد کو مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "عبادت کا حسن چار چیزیں ہیں:

۱- جب بندہ اپنے آپ کو عبادت میں منہمک دیکھے تو اپنے دل سے کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اور میرے اوپر اللہ تعالیٰ نے ہی یہ انعام فرمایا ہے۔ وہ جب یہ سوچے گا تو اس کے اندر سے گھمنڈ کا مادہ ختم ہو جائے گا-

۲- اس کا دل ہر وقت ثواب میں اٹکا رہے چونکہ جب اس کا دل ثواب میں لگا رہے گا تو ریاکاری کا خیال دل سے نکل جائے گا۔ کیونکہ اب وہ اس نیت سے عمل کرے گا کہ اس کو اس پر ثواب ملے۔ اگر شیطان اس کے دل میں وسوسہ بھی ڈالے گا تو وہ کہے گا میں یہ کام اس لیے کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس پر ثواب عنایت فرمائے۔ جب وہ اس امید پر عمل کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو ثواب عطا فرمائے تو لوگوں سے اس کی امیدیں اور لالچ (طمع) ختم ہو جائے گی۔

طمع یا لالچ کا مطلب ہے خدا کو بھول جانا بندہ جب اللہ کو بھول جاتا ہے تب ہی اس کی امیدیں مخلوق سے وابستہ ہوتی ہے۔(۴۲)

معرفت: شقیق بلخی نے معرفت کے بارے میں فرمایا کہ معرفت چار طرح کی ہوتی ہے:

۱- اللہ کی تعالیٰ کی معرفت۔

۲- اپنے نفس کی معرفت۔

۳- اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی معرفت۔

۴- اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے نفس کے دشمنوں کی معرفت۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت یہ ہے کہ بندہ دل سے یہ جانے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی دینے والا ہے، نہ کوئی روکنے والا ہے، نہ نقصان پہنچانے والا ہے، نہ فائدہ پہنچانے والا۔

معرفت نفس یہ ہے کہ تمھارا نفس یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر نہ تمہیں کوئی نفع دے سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ تم خود کوئی کام کر سکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کو جاننے کا مطلب ہے کہ تم یہ جان لو کہ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانا لازم ہے اور تمھارا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور اس پر یقین کامل ہو کہ تمہیں رزق ملے گا، اعمال کو خلوص کے ساتھ انجام دو اور اخلاص عمل کی پہچان تمہارے اندر دو خصلتوں کا ہونا ہے- طمع اور جزع یعنی تڑپ۔

اللہ تعالیٰ کے دشمن کی معرفت کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا ایک دشمن ہے یعنی شیطان اس سے جنگ کیے بغیر اللہ تعالیٰ تمھارا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا اور یہ جنگ دل کے اندر ہوتی ہے۔ آدمی اپنے دل میں جنگ کرے، جہاد کرے اور دشمن یعنی شیطان کو تھکا دینے والا ہے۔(۴۳)

حضرت شقیق بلخی نے مزید فرمایا کہ معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تمہارے پاس جو چیز ہے اس کو تم سے لے کر دوسرے کو دے دے اور اگر تمہارے پاس کوئی چیز نہ ہو تو وہ تم کو دے دے۔(۴۴)

اقوال حکمت:

حضرت شقیق بلخی نے فرمایا کہ اپنے آپ کو دنیا کی طلب میں ہلکان مت کرو۔ اگر تمہارے لیے فقر مقدر کر دیا گیا ہے تو تم غنی نہیں ہو سکتے۔(۴۵)

انھوں نے فرمایا کہ انسان اپنے ایمان کا جائزہ لین دین کے ذریعے بھی لے سکتا ہے اگر تمہاری نظر میں تمہیں دینے والا شخص زیادہ محبوب ہے تو یہ علامت اس بات کی ہے کہ تم دنیادار ہو اور اگر تمہاری نظر میں وہ شخص زیادہ محبوب ہے جس کو تم دے رہے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تمہاری نظر میں آخرت کی فکر زیادہ ہے (فانک محب للاخرۃ)(۴۶)

انھوں نے فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے لوگ آگ کے ساتھ رہتے ہیں یعنی اس کا فائدہ تو اٹھاتے ہیں لیکن اس میں جلنے سے بچتے ہیں۔(۴۷)

ایک مرتبہ فرمایا کہ توبہ کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ توبہ دراصل انسان کی گستاخانہ جرات اور اللہ رب العزت کے عفو و درگذر کی تفسیر ہے۔(۴۸)

صبر اور رضا کے بارے میں بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی۔ کہ صبر و رضا دو الگ الگ صورتیں ہیں۔ جب کسی کام کا آغاز کیا جاتا ہے تو ابتدا صبر سے ہوتی ہے اور اس کا اختتام رضا پر ہوتا ہے(۴۹)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اگر دنیا میں خوش رہنا ہے تو جو مل جائے وہ کھالو، جو میسر ہو وہ پہن لو اور اللہ نے جو فیصلہ کر دیا اس پر راضی ہو جاؤ۔(۵۰)

حضرت شقیق فرماتے تھے کہ عقلمند انسان کی تین خصلتیں ہوتی ہیں:

۱۔ وہ ہمیشہ اپنے پچھلے گناہوں پر شرمندہ رہتا ہے۔

۲۔ مستقبل کے بارے میں ہمیشہ فکرمند رہتا ہے کہ اگلے لمحے نہ جانے کیا ہو گا (یعنی مدہوشی کی زندگی نہیں گذارتا۔

۳۔ انجام کار موہوم ہے پتہ نہیں خاتمہ کس پر ہو گا اس لیے وہ اپنے انجام کے فکرمند ہوتا ہے۔(۵۱)

اوپر کے صفحات میں حضرت شقیق بلخی علیہ الرحمہ کی حیات اور ان کے افکار کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا اس سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ عظیم پائے کے صوفی تھے۔ ان کی زندگی عمل

سے عبارت تھی اور انھوں نے عمل کی تلقین کی۔ انھوں اپنے اقوال میں ایسے معیارات رکھ دیے کہ ان کے ذریعے انسان اپنا جائزہ لے سکتا ہے کہ وہ دینی اعتبار سے کس مقام پر ہے۔ اور انھوں نے تصوف کی فکری تاریخ کا منہاج متعین کرنے کے لیے عظیم کارنامہ انجام دیا۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ ذہبی: تاریخ الاسلام، تحقیق عمر عبد السلام تدمری، دارالکتاب العربی، بیروت، طبع دوم ۱۹۹۳ء، ۲۲۸/۱۳

۲۔ ابو نعیم اصفہانی: حلیۃ الاولیا و طبقات الاصفیا، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان غیر مؤرخہ، ص:۸۔۷، ابو القاسم القشیری: الرسالہ، اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارۂ تحقیقات اسلامی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۵۸، ۱۳۹-۱۳۸

۳۔ ابن الملقن: طبقات الاولیا تحقیق و تخریج نورالدین شریبہ، دارالمعرفۃ، طبع دوم ۱۹۸۶، ص:۱۳، الرسالہ القشیریۃ۔ (محولہ بالا، ص:۱۳۹)

۴۔ الرسالہ (محولہ بالا) ص ۱۳۸

۵۔ ایضاً ص ۱۳۸

۶۔ ابن الملقن (محولہ بالا) ص ۱۵

۷۔ ذہبی: تاریخ الاسلام، تحقیق عمر عبد السلام تدمری، دارالکتاب العربی، بیروت، طبع دوم ۱۹۹۳ ۲۳۰/۱۳

۸۔ عبد الرؤف مناوی: الکوکب الدریہ فی تراجم سادۃ الصوفیہ۔ تحقیق ڈاکٹر عبد الحمید صالح حمدان، المکتبہ الازہریہ للتراث، مصر، بدون سنہ ۱/۲۲۳

۹۔ طبقات الاولیا ص ۱۴

۱۰۔ تاریخ الاسلام ۱۳/۲۲۸

۱۱۔ جمال الدین ابو الفرج ابن الجوزی: صفۃ الصفوۃ، دار ابن حزم، بیروت، ۲۰۰۸، ۶۶۳

۱۲۔ حلیۃ الاولیا (محولہ بالا ۸/۵۹)، تاریخ الاسلام، ۱۳/۲۲۹

۱۳۔ طبقات الصوفیہ ۶۴

۱۴۔ الرسالہ، ص:۴۴۲

۱۵۔ طبقات الاولیا، ص:۹

۱۶۔ تاریخ الاسلام، ۱۳/ ۲۳۰

۱۷۔ ذہبی: العبر فی خبر من غبر، تحقیق ابو ھاجر محمد بن سعید البسیونی زغلول دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۹۸۵ء، ۱/ ۲۴۶

۱۸۔ طبقات الاولیا، ص:۱۴

۱۹۔ ابوعبد الرحمن السلمی: طبقات الصوفیہ، تحقیق نورالدین شریبہ، دار الکتاب العربی، مصر، ۱۹۵۳ء، ص:۶۲۔ ۶۳

۲۰۔ تاریخ الاسلام، ۱۳/ ۲۳۱

۲۱۔ ابن العماد: شذرات الذہب، دار المسیرہ، بیروت، ۱۹۷۹ء، ۱/ ۳۴۱

۲۲۔ صفۃ الصفوۃ، ص ۶۶۴

۲۳۔ حلیۃ الاولیا، ۸/ ۴۶

۲۴۔ تاریخ الاسلام، ۱۳/ ۲۲۹

۲۵۔ ابن اثیر: الکامل فی التاریخ، تحقیق ابو الفدا عبداللہ القاضی، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۹۸۷ء، ۵/ ۳۷۰

۲۶۔ حلیۃ الاولیا، ۸/ ۶۴

۲۷۔ ابن خلکان: وفیات الاعیان، طبع بولاق، ۲/ ۱۷۱

۲۸۔ الرسالہ، ۱۳۸

۲۹۔ طبقات الصوفیہ، ۶۳

۳۰۔ حلیۃ الاولیا، ۸/ ۶۲-۶۱

۳۱۔ طبقات الصوفیہ، ۶۳

۳۲۔ طبقات الصوفیہ، ۶۴

۳۳۔ حلیۃ الاولیا، ۸/ ۷۰

۳۴۔ حلیۃ الاولیا،۸/ ۶۲

۳۵۔ حلیۃ الاولیا،۸/ ۷۰

۳۶۔ حلیۃ الاولیا،۸/ ۷۰

۳۷۔ حلیۃ الاولیا،۸/ ۶۷-۶۶

۳۸۔ طبقات الصوفیہ، ص: ۶۴

۳۹۔ طبقات الصوفیہ، ص: ۶۵

۴۰۔ طبقات الصوفیہ، ص: ۶۳

۴۱۔ طبقات الصوفیہ، ص: ۶۴

۴۲۔ حلیۃ الاولیا،۸/ ۶۰

۴۳۔ حلیۃ الاولیا،۸/ ۶۰-۶۱

۴۴۔ حلیۃ الاولیا،۸/ ۶۶

۴۵۔ الکوکب الدریہ، ۲/ ۲۲۲

۴۶۔ طبقات الاولیا، ص ۶۴

۴۷۔ الکوکب الدریہ، ۲/ ۲۲۲

۴۸۔ طبقات الصوفیہ، ص ۶۵

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ ایضاً، ص ۶۶

۵۱۔ ایضاً، ص ۶۳